قسط: ۱

علاقائی حقوق سے متعلّق احکام

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

چند سال پیشتر سندھ سے ایک صاحب نے علاقائی حقوق سے متعلّق ایک سوالنامہ بھیجا تھا۔ وہ سوالنامہ تو اتّفاق سے گم ہوگیا، البتّہ اس کا جو جواب لکھا گیا تھا وہ مکمّل موجود ہے۔ جواب ترتیب کی کچھ ترمیم اور کچھ حک و اضافہ کے ساتھ استفادہ عام کے لیے پیش ہے۔

علاقائی حقوق سے متعلق بحث وقتاً فوقتاً اُٹھائی جاتی رہتی ہے اور افسوس ہے کہ بعض اہلِ علم بھی اس کی سحر کاری کا شکار ہوئے۔ یہ موضوع تو خاصا وسیع ہے، لیکن جو اُصولی باتیں تحریر میں آئی ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہم سب کے لیے نافع بنا دیں۔

البتّہ یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ دینِ اسلام کے کسی ایک شعبہ کو ہم کسی ایسے نظام میں FIT کر کے دیکھنے کی کوشش کریں گے جو کہ سراسر غیر اسلامی بلکہ ظالمانہ ہو تو ہمیں اس شعبہ سے متعلّق بہت سے اشکالات پیش آئیں گے۔ اگر ہم ایک خاک آلود مٹی کی دیوار میں ایک صاف شفاف ٹائل لگائیں گے تو اس ٹائل کا حُسن خاک میں چھُپ جائے گا لہٰذا ظالمانہ اور غیر اسلامی پس منظر میں اس شعبہ کو نہ دیکھیں بلکہ منصفانہ اور اسلامی مجموعی نظام کے پس منظر میں اس شعبہ کو دیکھیں تو انشاء اللہ کوئی اشکال پیش نہ آئے گا۔ فقط

الجواب باسم ملهم الصواب حامداً و مصليا

جو لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں جاتے ہیں اور وہاں کے ذرائع معاش پر قبضہ کرتے

ہیں تو ان کے بارے میں مندرجہ ذیل چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت علاقے والوں کی رضامندی سے عارضی طور پر سکونت اور معیشت اختیار کی ہو جیسا کہ بیرون ملک مثلاً مشرق وسطیٰ میں کام کرنے والوں کا اور اندرون ملک پٹھانوں اور کشمیریوں کا معاملہ ہے کہ یہ لوگ کسب معاش کے لیے پورے ملک میں پھیل جاتے ہیں۔ نجی کاروبار بھی کرتے ہیں اور ملازمتیں بھی لیتے ہیں۔ خواہ وہ نجی ہوں یا سرکاری ہوں اور تنخواہیں اپنے گھروں کو بھیجتے ہیں۔

ایسی ہی ایک صورت تقسیم ہند سے پیشتر خود سندھ میں بھی تھی۔ وہ یہ کہ سندھ میں ملازمتوں میں مسلمانوں کے کوٹہ کو پورا کرنے کے لیے پنجاب وغیرہ سے مسلمانوں کو بلا لیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ کچھ نہ کچھ بچا کر اپنے گھروں کو بھیجتے ہوں گے۔

ایسے ہی افرادی قوت کی کمی کے وقت اگر دوسرے علاقے کے لوگوں کو عارضی طور پر زمینیں کاشت کے لیے دے دی جائیں تو بھی اسی پہلی صورت کے تحت داخل ہے۔

پہلی صورت کا حکم جب تک ان عارضی ساکنین کے ساتھ معاہدہ ہے۔ ان کی رہائش اور کسبِ معاش سے کوئی تعرض نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے کسب سے حاصل شدہ سرمایہ بھی اپنے وطن بھیجنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ مدت معاہدہ ختم ہونے پر یہ ہو سکتا ہے کہ تجدید معاہدہ نہ کیا جائے، لیکن ان کے جان و مال کو حرمت حاصل ہوگی جس کی ہتک جائز نہیں۔ مزید ان کی ضرورت نہ ہو اور ضرورت مقتضی ہو تو ان کو واپس ان کے علاقے میں بھیج دیا جائے۔

دوسری صورت علاقے والوں کی رضامندی سے وہاں مستقل سکونت اختیار کی ہو اور اس علاقے کو اپنا وطن بنا لیا ہو۔ تقسیم ہند کے وقت آنے والے مہاجرین کی یہی صورت ہے۔ بعض عوام یا بعض لیڈر یہ کہیں کہ ہماری طرف سے کبھی رضامندی نہیں تھی تو اُن کا یہ کہنا ناقابلِ تسلیم ہے، کیونکہ ایک ملک کا مذہبی بنیادوں پر یعنی دو قومی نظریے کی بنیاد پر مطالبہ کیا گیا اور علاقوں نے اس ملک میں شمولیت اختیار کی۔ انتقال مکانی دونوں ہی خطوں سے ناگزیر تھی۔ لہٰذا مہاجرین کو آخر ملک میں شامل علاقوں ہی میں سے کسی میں بسنا تھا اور تقسیم کے وقت اس کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اُٹھی۔

دوسری صورت کا حکم قدیم وجدید باشندوں کے درمیان حقوق میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوگا۔

اصل دارو مدار صلاحیتوں پر ہوگا۔ قومی اور نسلی اور لسانی بُنیادوں پر کسی کی تحقیر جاہلیت کے کاموں میں سے ہے۔

سندھ اور دیگر علاقوں میں جو سرکاری زمینیں مہاجرین کو فروخت کی گئیں یا الاٹ کی گئیں تو محض مہاجر ہونے کی بناء پر کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔

تیسری صُورت کسی حکومت نے علاقے والوں کے مفادات کے خلاف بلا کسی مجبوری کے دوسرے علاقے والوں کو اپنی ناعاقبت اندیشی سے وہاں زمینیں یا ملازمتیں مہیّا کر دی ہوں جیسا کہ سندھ کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ سندھ کے حالات کی قدرے تفصیل بیان کر کے پھر مسئلہ تحریر کیا جائے۔

عبدالوہاب چاچڑ صاحب لکھتے ہیں۔

"سندھ اسمبلی میں ۱۹۴۶ء میں دو بل پاس کیے۔

① تین سو ایکڑ سے کم زمین کا مالک اپنی زمین گروی نہیں رکھ سکتا جب تک گورنمنٹ سے اس کی منظوری نہ لے۔

② آج سے قبل جتنی بھی زمینیں گروی کی وجہ سے فروخت ہُوئی ہیں یا ابھی تک گروی رکھی ہُوئی ہیں، وہ سب اپنے اصل مالکوں کو واپس ہو جائیں گی اور جتنا عرصہ وہ گروی میں رہی ہیں اس عرصہ کی زرعی پیدائش کا حساب گروی رکھنے والے سے لے کر اصل مالک کو دیا جائے گا، اگر وہ حساب قرض سے زائد بنتا ہو۔

سندھ میں مُسلمان غالب اکثریّت میں تھے اس لیے آسانی سے یہ بل پاس ہوگیا۔

یہ دونوں بل پاس ہوکر منظوری کے لیے گورنر جنرل ہند کے پاس گئے۔ دفتری کارروائی کے دوران ہی پاکستان بن گیا۔ اب یہ دونوں بل گورنر جنرل مسٹر محمّد علی جناح کی خدمت میں پیش ہُوئے، جناح صاحب نے پہلے بل کو تو منظور کر لیا، لیکن دوسرے بل کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ زمینیں پناہ گیروں کو دی جائیں گی، حالانکہ ہندوؤں کی متروکہ جائیداد اور زمینوں میں فرق تھا۔ زمینیں ہندوؤں کی اپنی نہیں تھیں۔ اُن کے اصلی مالک مقامی مسلمان تھے۔

محمود مرزا صاحب آج کا سندھ میں لکھتے ہیں۔

۱۹۲۵ء تک صورت حال یہ تھی کہ حکومت کے شائع شدہ اعداد و شمار کے

مطابق سندھ میں چھوٹے مسلم کاشتکار ایک لاکھ ستائیس ہزار چونتیس تھے جن کے پاس ۲۵ ایکڑ سے کم زمین تھی، لیکن ۱۹۴۶ء تک آتے آتے سندھ کی ۶۰ فیصد زرعی زمین مسلم کاشتکاروں یا زمینداروں سے نکل کر ہندو خریداروں یا قرض خواہوں کے ہاتھ میں آچکی تھی۔

پنجاب میں ایسا قانون بہت پہلے نافذ ہوچکا تھا جس کے تحت کسی کاشتکار کی اراضی کوئی غیر کاشتکار نہیں خرید سکتا تھا... لیکن آخر کار جون ۱۹۴۷ء میں سندھ اسمبلی نے یہ بل منظور کر لیا جس کے تحت ہندو ساہوکاروں کے پاس رہن شدہ مسلمانوں کی ساری اراضی انہیں واپس مل جاتی تھی۔ اس بل پر گورنر کے دستخط ہوئے باقی تھے کہ پاکستان بن گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد گورنر نے بوجوہ اس بل پر دستخط نہ کیے اور اس زمین کا بہت سا حصہ ہندوؤں کی متروکہ املاک کے طور پر بعد میں مہاجرین کو الاٹ کر دیا گیا۔ اس موضوع پر تمام سندھی اخبارات نے ۱۹۵۸ء تک مسلسل ادارتی نوٹ لکھے۔ اس کارروائی میں سندھ کے خود کاشتکار طبقے کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا (ص۱۷)

البتہ یہ بات مدِ نظر رہے کہ ان متروکہ اراضی کا کچھ حصہ مقامی جاگیرداروں نے مختلف طریقوں سے حاصل بھی کر لیا تھا۔

Evacuee land were those which the departing non-Muslims left behind and the state now claimed their ownership. Some of these lands had been appropriated already by local landlords (p.153 Under development & Agrarian Culture in Pakistan - Mahmood Hasan Khan)

ترجمہ: متروکہ اراضی وہ تھیں جن کو انتقال مکانی کرنے والے غیر مسلم چھوڑ گئے تھے اور جن کی ملکیت کی دعویدار ریاست تھی ان میں سے کچھ مقامی زمیندار پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔

اس کا مزید بیان یوں ہے۔

The departure of the British administrators and Hindu - money

lenders made the exercise of power more convenient and visible. In the confusion which followed the partitioning of British India many land owners gained additional lands. this they did in several ways. Some of them purchased it from fleeing Hindus at Nominal prices. Others managed to get more land by their influence on revenue officials. STill others held de facto possession of what was the state evacuee property. (p.139)

ترجمہ: برطانوی حکمرانوں اور ہندو ساہوکاروں کی روانگی سے اختیارات کا استعمال زیادہ آسان ہوگیا تھا۔ یہ برطانوی ہند کی تقسیم کے بعد جو ایک پریشانی کا دَور آیا اس میں بہت سے جاگیرداروں نے مختلف طریقوں سے مزید زمینیں حاصل کرلیں۔ بعض نے ان کو بھاگنے والے ہندوؤں سے واجبی قیمت پر خرید لیں۔ کچھ نے افسرانِ محصول پر اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ سے حاصل کیں اور بعض نے بالفعل ریاست کی متروکہ اراضی پر زبردستی قبضہ کرلیا۔

مندرجہ بالا آخری حوالے سے یہ بات بتلانا مقصود تھی کہ مقامی جاگیرداروں نے بھی وہ زمینیں کسی طریقے سے حاصل کر کے مظلوم طبقے پر اور ظلم کیا۔

مذکورہ بالا بیانات سے حاصل ہونے والی صورتحال میں شرعی حکم

عبدالوہاب چاچڑ، محمود مرزا اور محمود حسن خان سب کے بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوؤں کے قبضے میں اراضی کی دو صورتیں تھیں ایک جو اُنھوں نے خریدیں دوسری وہ جو اُن کے پاس گروی تھیں لہٰذا:

(۱) جو زمینیں ہندوؤں کی خریدی ہوئی تھیں وہ اُن کے ترکِ وطن کی وجہ سے سرکاری زمینیں بنیں اور ایسی زمینوں میں حکومت کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے کسی کے ہاتھ فروخت کرے چاہے کرائے پر یا بٹائی پر دے یا کسی کو بطور جاگیر دے۔ معاملاتی اعتبار سے چونکہ ایسی زمینوں سے اُن کے پچھلے مسلمان مالکوں کا حق منقطع ہو چکا تھا۔ لہٰذا حکومت پابند نہیں تھی کہ وہ زمین ان سابقہ مالکان پر ضرور تقسیم کرتی۔ پھر دوسری طرف ایسے مہاجرین آرہے تھے جو اپنی جائیداد چھوڑ کر آرہے تھے اور ان کی آبادکاری ایک بڑا مسئلہ تھی تو اگر حکومت نے

(۲) زمینیں مہاجرین میں تقسیم کیں تو اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۳) البتہ وہ زمینیں جو ہندوؤں کے پاس گروی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ چونکہ امانت تھیں، لہٰذا وہ ان کے اصل مالکان کو دی جانی ضروری تھیں۔ وہ بلا رضامندی و بلا معاوضہ لے کر کسی اور کو خواہ وہ کوئی بھی ہو دینا غصب ہے جس کے عدم جواز کے بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول آگے آ رہا ہے۔ اگر ان کے مالکان کو کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا یا وہ راضی نہیں ہوئے تو معاملہ کے اعتبار سے اُن کو راضی کرنا یا اتنا معاوضہ جس پر وہ راضی ہو جائیں ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں تقادم زمانہ کی کوئی قید نہیں ہے۔

سندھ کے بارے میں مزید بیانات ملاحظہ ہوں

عبدالوہاب چاچڑ صاحب لکھتے ہیں۔

"کوٹری بیراج مکمل ہوا۔ گدو بیراج مکمل ہونے والا تھا۔ سندھ کی بنجر زمین شاداب آباد ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سندھ کے وسائل اور عہدے پنجاب کو لقمہ تر نظر آ رہے تھے ان چیزوں کو نگلنے کی راہ میں صوبائی حد بندی مانع تھی۔ اس لیے پنجابی سیاستدانوں نے مشرقی پاکستان کی اکثریت کے توڑ کا بہانہ بنا کر مغربی پاکستان کے صوبوں کی صوبائی حیثیت ختم کر کے سب کو لاہور کے ماتحت کر دیا... اب سندھ کی ہر چیز کا فیصلہ لاہور میں ہونے لگا... سندھ کے ہاری جو بیراج کی تکمیل کے منتظر آس لگائے بیٹھے تھے کہ زمینیں ان کو ملیں گی اور زمینداروں کے چنگل سے نکلیں گے اور آزاد اور خوشحال زندگی بسر کریں گے، مگر اُن کی آرزو آرزو ہی رہی۔ سندھ کی زمینیں فوجیوں اور سول ملازمین میں بانٹی گئیں۔ نیلام عام کے ذریعے بقایا زمینیں پنجابی چودھریوں کو دی گئیں۔ غریب سندھی ان چودھریوں کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا جن کی تجوریاں بنک کے پیسے سے بھری ہوئی تھیں۔"

محمود مرزا آج کا سندھ میں لکھتے ہیں

"سندھ کے تین بیراجوں میں فوجی ملازموں کے لیے کئی لاکھ ایکڑ اراضی مختص کی گئی۔ گدو بیراج میں سول ملازمین کے لیے بھی ہزارہا ایکڑ اراضی رکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مشینی کاشت اور نیلام کی سکیموں کے تحت یہاں لاکھوں کی تعداد میں غیر سندھی آباد کار آئے۔ دوسرے صوبوں نے بندیا ندھنے یا دوسرے مقاصد کے لیے جن کاشتکاروں سے اراضی قانوناً حاصل کی انھیں بھی سندھ

میں کچھ اراضی الاٹ ہوئی۔

ون یونٹ کے دوران بیراجوں کی زمین جس طرح تقسیم ہوئی اس سے لاکھوں سندھی ہاریوں کی دل شکنی اور حق تلفی ہوئی۔ ہاری پارٹی کی کوششوں سے ایک لاکھ سے زیادہ سندھی ہاریوں نے زمین کی الاٹمنٹ کے لیے درخواستیں دیں۔ ہاری پارٹی کے لیڈروں قاضی فیض محمد وغیرہ نے بھوک ہڑتال تک کی، لیکن حکومت نے لاکھوں ایکڑ اراضی عام نیلام کے ذریعے فروخت کردی۔ اس معاملے میں سندھی اخبارات نے سینکڑوں اداریتی نوٹ لکھے۔ ان میں سے دو تین نوٹ درج ذیل ہیں:"

کوٹری بیراج کی زمین غیر سندھیوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی افواہ کا حوالے دیتے ہوتے مولانا ضمیر محمد نظامانی روزنامہ مہران ۲۶ مئی ۱۹۵۷ء میں لکھتے ہیں۔

"اس افواہ کی وجہ سے سندھ کے لوگوں میں جو اضطراب پیدا ہوگیا ہے۔ وہ افواہ کی صحت کے نتیجہ میں کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اس کے بعد مرکزی یا صوبائی حکومت سندھی عوام سے کسی تعاون اور دوستی کی اُمید نہیں رکھ سکتی اس لیے کہ یہ پیٹ کا سوال ہے جس پر ہم ہر ایک سے لڑنے کے لیے تیار ہیں . . . کوٹری بیراج کی زمین پر سب سے پہلا حق سندھ کے بے زمین ہاریوں کا ہے جس میں سے بیشتر کے پاس کاشت کے لیے بھی زمین نہیں ہے کیونکہ بھارت منتقل ہونے والے ہندوؤں کی جن زمینوں پر وہ کاشت کرتے تھے۔ نصف سے بھی زیادہ مہاجروں کو الاٹ کی گئی ہیں . . . الخ

اپریل ۱۹۶۳ء میں مسٹر علی گوہر کھوڑو نے مغربی پاکستان اسمبلی میں گدو بیراج کی زمینوں کی نیلام کی پالیسی کے خلاف تحریکِ التوا پیش کی تحریک التوا تو مسترد ہوگئی، لیکن بعض سندھی ممبران نے اس بائیکاٹ میں حصّہ نہیں لیا جو بطور احتجاج کیا گیا۔ اس پر سندھ میں سخت ردِّ عمل ہوا۔ مولانا ضمیر محمّد نظامانی نے اس موضوع پر نوائے سندھ حیدر آباد کے شمارے مؤرخہ ۱۴ اپریل ۱۹۶۴ء میں اداریتی نوٹ لکھا۔

"۱۲ اپریل کا دن مغربی پاکستان اسمبلی کی تاریخ میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے جب مسٹر علی گوہر کھوڑو کی گدو بیراج کی زمینوں کی نیلام کے خلاف التوا کی تحریک کو اسپیکر نے مسترد کر دیا . . . ہم حکومت کے ہاتھوں خرید ہو جانے کے بعد اُنھیں طعنہ نہ دیتے، اگر یہ نہ دیکھتے کہ اُنھوں نے بھی گدو بیراج کی زمینوں کی نیلام کے خلاف آواز بلند کی ہے . . . الخ"

(جاری ہے)

(قسط: ۲ آخری)

علاقائی حقوق سے متعلّق احکام

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

چند سال پیشتر سندھ سے ایک صاحب نے علاقائی حقوق سے متعلّق ایک سوالنامہ بھیجا تھا۔ وہ سوالنامہ تو اتّفاق سے گم ہوگیا، البتّہ اس کا جو جواب لکھا گیا تھا وہ مکمّل موجود ہے۔ جواب ترتیب کی کچھ ترمیم اور کچھ حک و اضافہ کے ساتھ استفادہ عام کے لیے پیش ہے۔

علاقائی حقوق سے متعلّق بحث وقتاً فوقتاً اُٹھائی جاتی رہتی ہے اور افسوس ہے کہ بعض اہلِ علم بھی اس کی سحر کاری کا شکار ہوئے۔ یہ موضوع تو خاصا وسیع ہے، لیکن جو اُصولی باتیں تحریر میں آئی ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہم سب کے لیے نافع بنا دیں۔

البتّہ یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ دینِ اسلام کے کسی ایک شعبہ کو ہم کسی ایسے نظام میں FIT کرکے دیکھنے کی کوشش کریں گے جو کہ سراسر غیر اسلامی بلکہ ظالمانہ ہو تو ہمیں اس شعبہ سے متعلّق بہت سے اشکالات پیش آئیں گے۔ اگر ہم ایک خاک آلود مٹی کی دیوار میں ایک صاف شفاف ٹائل لگائیں گے تو اس ٹائل کا حُسن خاک میں چھُپ جائے گا لہٰذا ظالمانہ اور غیر اسلامی پس منظر میں اس شعبہ کو نہ دیکھیں بلکہ منصفانہ اور اسلامی مجموعی نظام کے پس منظر میں اس شعبہ کو دیکھیں تو انشاء اللہ کوئی اشکال پیش نہ آئے گا۔ فقط

کوٹری بیراج کی پانچ لاکھ ایکڑ اراضی نیلام کرنے کی تجویز اور فوجیوں کو الاٹمنٹ کے مسئلے پر ممتاز صحافی سید

سردار علی شاہ نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ کوٹری بیراج کی زمین کی تقسیم کے سلسلے میں مزید جو اطلاعات آئی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی پاکستان کے ریونیو بورڈ نے بیراج کی پانچ لاکھ ایکڑ زمین نیلام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں مغربی پاکستان حکومت سے اس قسم کی باز پرس کرنے کا پورا حق حاصل ہوگا کہ اس نے کیوں کر اپنی پالیسی عوامی تقاضوں اور انصاف کے برعکس مرتّب کی ہے۔ کوٹری بیراج کی تعمیر کا پہلا مقصد یہ تھا کہ سندھ کی اراضی سندھ کے ہاریوں اور بے زمین کاشتکاروں کو مہیّا کی جائے اس لیے سندھ کے لوگوں پہ بھاری محصول اور ٹیکس عائد کر کے اور دوسرے ترقیاتی کام روک کر بیراج کے لیے لاکھوں روپے جمع کیے گئے۔ لوگوں نے اس بوجھ کو اس لیے برداشت کیا کہ اُنھیں یقین تھا کہ جب بیراج تکمیل پا جائے گا تو اس سے سندھ کے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔

محمود حسن خان لکھتے ہیں۔

More, significantly, as new irrigation and battlement schemes in the Punjab and Sind were undertaken in the mid-fifties civil and military bureaucracies were clearly given preferential treatment for irrigated lands. In fact, sale and allotment of these lands in Sind to these outsiders were quite contrary to the promises made by some politicians for peasant grants to haris and allotment to small owners.

ترجمہ: خاص طور سے جب پچاس کی دہائی کے وسط میں پنجاب اور سندھ میں آبپاشی اور آبادکاری کی نئی سکیمیں روبعمل لائی گئیں تو نہری اراضی میں سول اور فوجی نوکر شاہی کے ساتھ واضح ترجیحی سلوک کیا گیا۔ درحقیقت سندھ میں باہر والوں کے ہاتھ ان زمینوں کی فروخت اور الاٹمنٹ بعض سیاستدانوں کے ان وعدوں کے بالکل مخالف تھی کہ ہاریوں کو گرانٹ دی جائیگی اور چھوٹے مالکان اراضی کو الاٹمنٹ کی جائے گی۔

ستم ظریفی دیکھیے سندھ کے ساتھ یہ کوئی نیا معاملہ نہیں ہوا تھا، بلکہ قیام پاکستان سے پیشتر سکھر بیراج کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ محمود حسن صاحب لکھتے ہیں۔

Among the most important changes in the agriculture of Sind

was the completion of Llyod Barrage (now called Sukkut Barrage) on the Indus in 1932. In this Zamindar and hari alike saw the hope of acquiring irrigated lands. In several areas, Zamindars successfully claimed their forfited lands after they began to receive water. This they were allowed under a law by the British in 1932, when Sind was still a part of Bombay presidency. The haris were promised harp, peasant grants on newly irrigated state lands. However, state lands in flood Barrage area, estimated at over one million acres, were sold to settles mainly from outside Sind. Consequently, haris received as harp grants of no more, than 85,000 acres from 1932 to about the time of Independence in 1947. Since reach hari family received 16 to 24 acres, the total number of beneficences could not have been more than 5,500. there is also evidence that these was great reluctance on the part of revenue officials to enter into Records of Rights the titles of lands haris received from the state.

ترجمہ : سندھ کی زراعت میں سب سے اہم تبدیلیوں میں سے ایک سکھر بیراج کی تکمیل تھی جو کہ دریائے سندھ میں ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ اس وقت زمینداروں اور ہاریوں دونوں کو نہری زمین حاصل کرنے کی یکساں اُمید تھی۔ بعض علاقوں میں پانی حاصل ہونے کے بعد زمینداروں نے کامیابی اپنی مقبوضہ زمینوں کے کلیم حاصل کیے۔ یہ ان کے لیے ۱۹۳۲ء میں ایک برطانوی قانون کے تحت ممکن ہُوا جس وقت کہ سندھ بمبئی پریذیڈنسی کا ایک حصّہ تھا۔ ہاریوں سے ہارپ یعنی نئی نہری زمینوں میں سے گرانٹ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، لیکن سکھر بیراج کی سرکاری زمینیں جو کہ دس لاکھ ایکڑ سے زیادہ تھیں زیادہ تر ان آباد کاروں کے ہاتھ فروخت کر دی گئیں جو غیر سندھی تھے۔ نتیجتاً ہاریوں کو ۱۹۳۲ء تک بطور ہارپ گرانٹ کے پچاسی ہزار ایکڑ سے

زیادہ نہ ملیں۔ چونکہ ہر ہاری خاندان کو سولہ سے چوبیس ایکڑ تک زمین ملی، لہٰذا فائدہ اُٹھانے والے ہاریوں کی کل تعداد ساڑھے پانچ ہزار سے زائد نہ ہوگی۔ اس بات کا بھی ثبوت موجود ہے کہ ریونیو افسران کی جانب سے اس بارے میں بڑی عدم آمادگی تھی کہ رجسٹروں میں ان زمینوں کا اندراج کیا جائے جو ہاریوں نے حکومت سے حاصل کیں۔

۱۹۵۹ء کی اصلاحاتِ اراضی کے تحت جو اراضی حاصل ہُوئیں ان میں سے کتنا حصّہ فروخت کیا گیا؟ اس کے بارے میں محمود حسن خاں جو اعداد و شمار پیش کرتے ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بے زمین کاشتکاروں کے ساتھ یہاں بھی فراخدلی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔

How much of the resumed land was sold? And to whom? ...only 50% of the resumed land (or 952,000 acres) had been sold by 1967. Since most of the resumed areas in the Punjab was uncultivated, only 36% of the resumed land (469,623 acres) had been disposed of. In Sind, on the other hand about 71% of the resumed land (or 374,152 acres) had been disposed of although resumed area in the PUnjab was about one-third more than in Sind. Most of the area was sold to landless tenants and small owners/tenants. 65% in the Punjab and 75% in Sind. However, only 40% of total area was sold to landless tenants in the two provinces. The remaining area, which was by no means insubstantial, was auctioned, in which land was sold mostly to rich farmers and to civil and military officials. In fact, during government lands in the newly irrigated areas to these groups.

ترجمہ: بازیاب کی گئی اراضی میں سے کتنی فروخت کی گئی اور کس کو فروخت کی گئی؟ ۱۹۶۷ء تک اس کا پچاس فیصد فروخت کیا گیا تھا چونکہ پنجاب میں بازیاب شُدہ اراضی کا بیشتر رقبہ غیر مزروعہ تھا لہٰذا بازیاب شدہ اراضی کا صرف ۳۶ فیصد ہی نمٹایا گیا تھا اس کے برعکس سندھ میں بازیاب

شدہ اراضی کا تقریباً ۷۱ فیصد حصہ نمٹایا جا چکا تھا، حالانکہ پنجاب کا بازیاب شدہ رقبہ سندھ کے مقابلے میں تقریباً ایک تہائی زیادہ تھا۔ بہت سا رقبہ بے زمین کاشتکاروں اور چھوٹے زمینداروں کے ہاتھ فروخت کیا گیا یعنی پنجاب میں ۶۵ فیصد اور سندھ میں ۷۵ فیصد لیکن کل ملا کر جو رقبہ بے زمین کاشتکاروں کے ہاتھ دونوں صوبوں میں فروخت کیا گیا وہ صرف ۴۰ فیصد تھا۔ باقی کا رقبہ جو کہ کسی اعتبار سے بھی کم نہ تھا۔ نیلام کیا گیا جس میں زیادہ تر اراضی امیر جاگیرداروں اور سول اور فوجی افسران نے خرید کی۔ درحقیقت ساٹھ کی دہائی میں نئے سیراب شدہ علاقوں میں انتقالِ اراضی کے لیے نیلامی کے ذریعے فروختگی ایک اہم پالیسی تھی۔

دوسری صورت علاقے والوں کی رضامندی سے وہاں زمینوں اور ملازمتوں کی مستقل تحصیل کی ہو۔ یہ لوگ مقامی لوگوں جیسے حقوق کے مالک ہوتے ہیں۔

تیسری صورت کا حکم پہلے چند اُصولی باتیں سمجھ لیں۔

پہلا اُصول:

غیر علاقے کے لوگوں کو زمینیں دی جا سکتی ہیں۔

(الف) عن اسماء بنت ابی بکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقطع الزبیر ارضا بخیبر فیھا شجر و نخل (کتاب الاموال ۶۷۸ ص۲۵۳)

اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو خیبر میں کھجور اور دیگر پھلوں کے درختوں والی زمین بطور جاگیر عطا کی۔

(ب) عن عمرو بن دینار قال لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقطع ابابکر و اقطع عمر رضی اللہ عنھما۔ (الخراج لابی یوسف ص۶۷)

عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ابوبکر اور عمر کو جاگیریں عطا فرمائیں۔

(ج) عن ابی رافع قال اعطاھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارضا فعجزوا عن عمارتھا فباعوھا فی زمن عمر بن الخطاب بثمانیۃ آلاف دینار أو بثمانمائۃ الف درھم۔ (الخراج لابی یوسف ص۶۷)

ابو رافع کہتے ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے لوگوں کو جاگیر عطا کی۔ وہ اس کی آباد کاری نہ کر سکے، لہٰذا اُنھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کو آٹھ ہزار دینار یا آٹھ ہزار درہم پر فروخت کر دیا۔

(د) عن موسی بن طلحة قال اقطع عثمان بن عفان لعبد الله بن مسعود رضی الله عنهما فی النهرین ولعمار بن یاسر استینیا (قریة بالکوفة)

واقطع خبابا صنعاء وأقطع سعد بن مالك قریة هرمزان قال فكل جار (الخراج لابی یوسف ص۶۷)

موسی بن طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہرین میں اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو استینیا میں اور خباب رضی اللہ عنہ کو صنعاء میں اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو ہرمزان میں جاگیریں عطا فرمائیں۔

(ہ) یہ اُصول مسلم ہے کہ جو علاقے قُوّت سے فتح کیے گئے ہوں اگر حاکم مناسب سمجھے تو اُن کو غانمین میں تقسیم کر دے جیسا کہ خیبر میں ہُوا۔

(و) حدیث میں ہے۔ من احیا ارضاً مواتاً له ولیس لعرق ظالم حق (الخراج لابی یوسف)

جس شخص نے کوئی بنجر زمین آباد کی تو وہ اس کی ملکیت ہے اور کسی ظالم کو اس کے لینے کا حق نہیں ہے۔

اور کلمہ مَنْ عموم کے لیے ہوتا ہے۔ (لان کلمة من للعموم۔ نور الانوار)

فقہی عبارتوں میں بھی عموم پایا جاتا ہے۔ وکل من احیا ارضا مواتا فهی لهٗ (الخراج لابی یوسف ص۶۹)

وقد کان ابو حنیفة رحمه الله یقول من احیا ارضا مواتا فهی له اذا اجازه الامام (الخراج ص۶۹) ولك ان تقطع ذلك من احببت ورایت تواجره تعمل فیه بما تری انه صلاح

ہر وہ شخص جو کسی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اس کی ملکیّت ہے اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے جس شخص نے کوئی بنجر زمین آباد کی تو وہ اس کی ملکیّت ہے جبکہ حاکم اجازت دے دے۔ اور آپ کو اختیار حاصل ہے کہ آپ جس کو چاہیں اور مناسب سمجھیں جاگیر دیں اور جس کے ساتھ چاہیں فائدہ مند اُجرت کا معاملہ فرمائیں۔

اور جب قطائع وغیرہ دیے جا سکتے ہیں کہ جن میں ایک صُورت یہ ہے کہ زمین کا مالک بنا دیا جائے جیسا کہ ابو رافع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے تو غیر علاقے کے لوگوں کے ہاتھ زمینوں کو فروخت بھی کیا جا سکتا ہے کہ دونوں کا مآل ایک ہے یعنی تملیک

کتاب الخراج میں امام ابو یُوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وكل من اقطعه الولاة المهديون أرضا من ارض السواد وارض العرب والجبال من الاصناف التي ذكرنا ان للامام ان يقطع منها فلا يحل لمن يأتي بعدهم من الخلفاء ان يرد ذلك ولا يخرجه من يدي من هو في يده وارثا أو مشتريا فأما ان اخذ الوالي من يد واحد أرضا واقطعها آخر فهذا بمنزلة الغاصب غصب واجدًا واعطى آخر فلا يحل للامام ولا يسعه ان يقطع أحدا من الناس حق مسلم ولا معاهدٍ ولا يخرج من يده من ذلك شيئا الا بحق يجب له عليه فياخذه بذلك الذي وجب له عليه فيقطعه من احب من الناس فذلك جائز له ۔ والارض عندي بمنزلة المال فللامام ان يجيز من بيت المال من كان له غناء في الاسلام ومن يقوى به على العدو و يعمل في ذلك بالذي يرى انه خير للمسلمين و اصلح لا مرهم (ص۶۶)

ہدایت یافتہ حکمرانوں نے ارض عراق، ارض عرب اور پہاڑی علاقوں میں سے کسی کو جاگیروں کی وہ قسم عطا کی جو جائز ہیں تو بعد میں آنے والے حکمرانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کو واپس لیں اور ان لوگوں کے قبضہ میں سے نکالیں جن کے پاس وہ اب وراثت یا خریداری کے ذریعے سے آئی ہیں اور اگر حاکم نے ایسے کسی قابض سے لے کر کسی دوسرے کو دی تو وہ بمنزلہ غاصب کے ہوگا جس نے ایک سے چھین کر دوسرے کو دیا۔ لہٰذا حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان یا ذمی کا حق چھین کر کسی دوسرے کو دے اور قابض سے کچھ نہیں لے سکتا مگر فقط وہ حق جو حاکم کا قابض پر واجب ہو۔ اس وقت حاکم وہ حق لے کر کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور زمین میرے نزدیک مال کی مثل ہے۔ لہٰذا امام کو اختیار ہے کہ وہ بیت المال میں سے مسلمان غنی کو عطا کرے اور اس شخص کو عطا کرے جو اس مال سے دشمن کے مقابلے میں قوت و غلبہ پائے اور حاکم بیت المال میں وہ تمام تصرفات کر سکتا ہے جن میں مسلمانوں کے لیے بھلائی اور زیادہ نفع ہو۔

دوسرا اُصول

البتہ یہ قطائع وغیرہ معلول بالصلاح تھے۔ یعنی یہ جاگیریں اس وقت دی جا سکتی ہیں جب اس میں مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہو۔

قال ابو یوسف: فقد جاءت هذه الآثار بان النّبی صلّی الله علیه وسلّم اقطع اقواما وأن الخلفاء من بعده أقطعوا و رأی رسول الله صلّی الله علیه وسلّم الصلاح فیما فعل من ذلك اذ کان فیه تالف علی الاسلام وعمارة للارض۔ (ص۶۸)

قاضی ابو یُوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ روایات وارد ہُوئی ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کچھ لوگوں کو جاگیریں دیں اور آپ کے بعد خلفاء نے جاگیریں دیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بارے میں جو کچھ کیا اس میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مصلحت دیکھی کیونکہ اس میں ایک فائدہ لوگوں کا اسلام پر جماؤ تھا اور دوسرا زمین کی آباد کاری تھی۔

وایما ارض افتتحها الامام عنوةً فقسمها بین الذین افتتحوها فان رأی ان ذلك افضل فهو فی سعة من ذلك و هی ارض عشر و ان لم یر قسمتها و ان رای الصلاح فی اقرارها فی ایدی اهلها کما فعل عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی السواد فله ذلك (ص۶۹)

اور مسلمان حاکم جو بھی علاقہ قوّت سے فتح کرے اور یہ خیال کرے کہ مفتوحہ علاقے غانمین میں تقسیم کرنے ہی میں مصلحت ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور یہ زمین عشری ہوگی اور اگر وہ اس میں مصلحت دیکھے کہ وہ علاقہ غانمین میں تقسیم نہ کیا جائے، بلکہ اس علاقے کے باشندوں کو اراضی پر برقرار رکھا جائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق میں کیا تو ایسا بھی کر سکتا ہے

نیز کتاب الاموال میں ہے

عن ابن عون قال اقطع ابو بکر طلحة بن عبید الله ارضا وکتب له بها کتابا واشهد له ناسا فیهم عمر قال فاتی طلحة عمر بالکتاب! فقال اختم علی هذا فقال لا اختم أهذا کله لك دون الناس قال فرجع طلحة مغضبا الی ابی بکر فقال والله ما ادری انت الخلیفة ام عمر فقال بل عمر ولکنه ابیٰ

ابن عون کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے طلحہ بن عبید اللہ کو ایک جاگیر عطا کی اور اس کی تحریر لکھ دی اور حضرت عمر سمیت چند لوگوں کو گواہ بنانے کو کہا۔ طلحہ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ اس پر اپنی مہر لگا دیجیے۔ حضرت عمر نے جواب دیا میں مہر نہیں لگاؤں گا کیا اور لوگوں کو چھوڑ کر یہ تنہا تمہارے لیے ہو اس جواب پر طلحہ غصّہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور

کہا کہ واللہ میں نہیں جانتا خلیفہ آپ ہیں یا عمر ہیں۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا بلکہ عمر ہیں لیکن انھوں نے خلیفہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔

عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ان ابابکر قطع لعیینة بن حصن قطیعة و کتب له بها کتابا فقال له طلحة او غیره انا نری هذا الرجل سیکون من هذا الامر بسبیل - یعنی عمر - فلو اقرانه کتابك فاتی عیینة عمر فاقرأه کتابه۔ ثم ذکر مثل حدیث ابن عون و زاد فیه انه بَصَقَ فی الکتاب ومحاه قال فسال عیینة ابابکر ان یجددله کتابا فقال واللہ لا اجدد شیئًا رده عمر

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عیینہ بن حصن کے لیے ایک جاگیر لکھ دی۔ عیینہ کو طلحہ یا کسی اور نے کہا کہ ہمارا خیال ہے آئندہ عمر خلیفہ ہوں گے۔ لہٰذا اگر تم یہ ان کو بھی پڑھوا لو تو اچھا ہوگا۔ عیینہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُن کو وہ حکم نامہ پڑھایا۔ باقی قصہ ابن عون کی روایت کی مثل ہے۔ البتہ اس میں اتنا مضمون زائد ہے کہ حضرت عمرؓ اپنا لعاب اس تحریر پر لگایا اور تحریر کو مٹا دیا۔ بعد میں عیینہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تحریر دوبارہ لکھنے کی درخواست کی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ میں اس چیز کی تجدید نہیں کروں گا جس کو عمر نے مسترد کر دیا ہے۔

عن محمّد بن عبید اللہ الثقفی قال خرج رجل من اهل البصرة من ثقیف یقال له نافع ابو عبید اللہ . . . . . فقال لعمر بن الخطاب ان قبلنا ارضا بالبصرة لیست من ارض الخراج ولا تضر باحد من المسلمین فان رایت ان تقطعنیها اتخذ فیها قضبا لخیلی فافعل قال فکتب عمر الی ابی موسیٰ الاشعری ان کانت کما یقول فاقطعها ایاه

محمّد بن عبید اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ بصرہ کا رہنے والا ایک ثقفی شخص جن کا نام نافع ابوعبداللہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہماری طرف بصرہ میں کچھ ایسی زمین ہے جو خراجی نہیں ہے اور جس سے کسی مسلمان کا ضرر نہیں ہے۔ اگر آپ خیال فرمائیں تو وہ زمین مجھے عطا کر دیجیے تاکہ میں اس میں اپنے گھوڑوں کے لیے چارہ اگاؤں۔ حضرت عمرؓ

نے ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسے یہ بیان کرتے ہیں تو وہ زمین ان کو بطور جاگیر دے دو۔

عن قیس بن ابی حازم قال کانت بجیلة ربع الناس یوم القادسیة فجعل لهم عمر ربع السواد فاخذوه سنتین أو ثلاثا فوفد عمار بن یاسر الی عمر معه جریر بن عبد اللّٰه فقال عمر لجریر یا جریر ولولا انی قاسم مسئول لکنتم علی ما جعل لکم و ارٰی الناس قد کثروا فاری ان ترده علیهم ففعل جریر ذلك فاجازه عمر بثمانین دینارا (کتاب الاموال ۱۵۴/۲ ص ۶۳)

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ جنگ قادسیہ میں بجیلہ قبیلے والے چوتھائی فوج تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عراق کا چوتھائی علاقہ دے دیا جو انھوں نے دو یا تین سال رکھا۔ پھر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ کی معیت میں حضرت عمر کے پاس گئے تو حضرت عمر نے سے فرمایا اگر میں قاسم مسئول نہ ہوتا تو جو زمینیں تم کو دی گئیں وہ تمہارے لیے برقرار رکھی جاتیں، لیکن اب لوگ زیادہ ہوگئے ہیں تو میری رائے یہ ہے کہ تم وہ زمین واپس لوٹا دو حضرت جریر نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمر نے ان کو انعام میں اسی دینار دیے۔

حاصل یہ ہے کہ

۱۔ حکومت سرکاری اراضی کو علاقے والوں اور غیر علاقے والوں پر تقسیم کرسکتی ہے ـــــ یہ خواہ مفت ہو یا قیمتاً ہو۔

۲۔ زمین کی تقسیم میں ایسی صورت اختیار کرنی چاہیے کہ جس میں زمین کی آبادکاری زیادہ ہو اور لوگوں کا زیادہ نفع ہو اور کسی کو نقصان نہ ہوتا ہو۔ گویا وقت کی ضرورتوں اور رعایا کی مصلحتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

مولانا عبد الوہاب چاچڑ صاحب نے علامہ شبلی کی الفاروق سے جو مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا ہے

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھی یا جن پر رومی افسر قابض تھے باشندگان ملک کے حوالے کر دیا اور بجائے اس کے وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قاعدہ بنایا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہوسکتے۔ یعنی مالکانِ اراضی کو

قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدّت تک جاری رہا، چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالک نافع بن یزید بن لہیعہ نے ان پہ سخت اعتراض کیا۔ مقریزی ص ۲۹۵۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہلِ عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے۔ زراعت کی ممانعت کر دی، چنانچہ فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیے کہ لوگوں کے روزینے مقرّر کر دیے جائیں اس لیے کوئی زراعت کرنے نہ پائے۔ یہ حکم اس سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھے ایسی سخت سزا دوں گا کہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔"

نیز "علامہ یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں متعدّد سندوں سے نقل کیا ہے کہ قال عمر بن الخطاب لا تشتروا من عقار اهل الذمة ولا من بلادهم شيئا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ نہ تو ذمیوں کی کوئی زمین خریدو اور نہ ہی ان کے علاقوں میں سے کچھ خریدو) تو عبدالوہاب چاچڑ صاحب کے بیان کردہ یہ واقعات واحکامات مصلحت اور ضرورتِ وقت کے تحت تھے کیونکہ حکومت کی جانب سے ان لوگوں کے وظائف مقرّر تھے، تو ان کو بجائے اس کے کہ کھیتی باڑی کریں اپنے آپ کو جہاد وغیرہ کے لیے تیّار رکھنا ضروری تھا۔

مہاجروں کے علاوہ دیگر غیر سندھیوں کو جو اراضی اہلِ علاقہ کی مرضی کے بغیر دی گئیں ان کا حکم

بیراجی زمینیں اور اصلاحات اراضی ۱۹۵۹ء کے تحت حاصل شُدہ زمینیں سرکاری اراضی ہوئیں، اور اُوپر ہم ایسے حوالے نقل کر چکے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت یہ اراضی جس کو چاہے دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی کا ضرر نقصان نہ ہوتا ہو اور اس میں ضرورت و مصلحت بھی ہو۔

مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم اراضی میں مصلحت و ضرورت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

(۱) برتقدیر صحّت۔ سندھی ہاریوں کو زمین دینے کا وعدہ کیا گیا۔

(۲) برتقدیر صحّت۔ سندھیوں پہ بھاری محصول اور ٹیکس عائد کر کے اور دوسرے ترقیاتی کام روک کر بیراج کے لیے لاکھوں روپے وصول کیے گئے۔ لوگوں نے اس بوجھ کو اس لیے برداشت کیا کہ اُنھیں یقین تھا کہ جب بیراج تکمیل پا جائے گا تو اس سے سندھ کے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔

کوٹری بیراج کی تعمیر کا پہلا مقصد یہ تھا کہ سندھ کی اراضی سندھ کے ہاریوں اور بے زمین کاشتکاروں کو مہیّا کی جائے۔

(۳) بے زمین ہاریوں کی معاشی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی اور وہ زمینداروں اور جاگیرداروں کے ظلم و بیگار میں پسے ہوئے تھے۔

(۴) سندھ والے ۱۹۳۲ء سے زمینوں کے حصول کی آس لگائے ہوئے تھے۔ بار بار کی اُمیدیں جب ٹوٹ جائیں تو مایوسی پھیلتی ہے جو بسا اوقات شدید ردِّ عمل کا باعث بنتی ہے۔

(۵) ون یونٹ اسمبلی میں بھی اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی سندھ کے لوگوں کا حکومتی فیصلے پر احتجاج و ناپسندیدگی کا اظہار۔ اس سب کو نظر انداز کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔

(۶) مقامی لوگوں کی ضروریات کو نظر انداز کرنا اور دوسرے علاقے کے لوگوں کو وہاں کی زمینیں مہیا کرنا خلاف انصاف تھا۔

اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ جب ایک حکمران (یا موجودہ دور میں حکومت) نے اہلِ علاقہ کے مفادات کے خلاف غیر مقامی باشندوں کو جو فائدہ پہنچائے مثلاً ان کے ہاتھ زمینیں فروخت کیں اور الاٹ کیں تو اگر اس کے بعد کوئی منصف حکومت آجائے تو وہ اصلاح احوال کیونکر کر سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی منصف حکومت آجائے اور وہ اصلاح احوال پہ آمادہ ہو تو تمام حالات اور وسائل کا جائزہ لے کر یہ دیکھا جائے کہ جن کی حق تلفی ہوئی اُن کے لیے کسب معاش کے تبادل طریقے موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو مظلوم طبقہ کو وہ فراہم کر دیے جائیں تاکہ حق تلفی کا تدارک ہو سکے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو یا دیگر وجوہ کی بناء پر غیر مقامی باشندوں کو وہاں بسائے رکھنا مصلحت و مفاد کے خلاف ہو تو ان لوگوں کو معقول معاوضہ دے کر وہ زمینیں ان سے واپس بھی لی جا سکتی ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر کہ اب آبادی بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا میں اس میں مصلحت سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کو جو زمین سوادِ عراق میں دی گئی تھی وہ واپس کر دو، اور اُنھوں نے واپس کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بطور انعام اسّی دینار دیے۔

علاوہ ازیں یہ فقہی قاعدہ ہے کہ تصرف امام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ۔ یعنی رعایا پہ حاکم کے تصرف کا دارومدار مصلحت پہ ہوتا ہے (قاعدہ خامسہ من الاشباہ والنظائر)۔ اشباہ میں اس قاعدے کے تحت فرمایا۔

(تنبیہ) اذا کان فعل الامام مبنیا علی المصلحۃ فیما یتعلق بالامور العامۃ

لم ینفذ امره شرعا الا اذا وافقه فان خالفه لم ینفذ ولهذا قال الامام ابو یوسف رحمه الله فی کتاب الخراج من باب احیاء الموات ولیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف انتهی وقال قاضیخان فی فتاواه من کتاب الوقف ولو ان سلطانا اذن لقوم ان یجعلوا ارضا من اراضی البلدة انیت موقوفة علی المسجد لو امرهم ان یزیدوا فی مسجدهم قالوا ان کانت البلدة فتحت عنوة وذلك لایضر بالمار والناس ینفذ امر السلطان فیها و ان کانت البلدة فتحت صلحا تبقی علی ملك ملاکها فلا ینفذ امر السلطان فیها

جبکہ رعایا سے متعلق اُمور میں حاکم کا فعل مصلحت پر مبنی ہونا ضروری ہے تو اگر اس کا کوئی حکم مصلحت کے موافق ہوگا تب تو نافذ ہوگا اور اگر مصلحت کے خلاف ہوگا تو نافذ نہیں ہوگا۔

اسی لیے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج کے باب احیاء الموات میں فرمایا کہ حاکم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے قبضے سے کوئی شے لے اِلا یہ کہ ثابت اور معروف حق کی بناء پر ہو۔ انتہیٰ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ کی کتاب الوقف میں ذکر کیا کہ اگر سلطان شہر کی اراضی میں سے کچھ اراضی پر کچھ لوگوں کو مسجد پر موقوف دکانیں بنانے کی اجازت دے دے یا اُن کو اپنی مسجد بڑھانے کی اجازت دے دے تو اگر تو وہ شہر لڑکر فتح کیا گیا تھا اور اس کام میں گزرنے والوں اور لوگوں کا ضرر نہ ہو تو سلطان کا حکم نافذ ہوگا اور اگر شہر صلح سے فتح کیا گیا ہو تو اراضی ان کے سابقہ مالکوں کی ملک میں باقی رہیں گی اور ان میں سلطان کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ انتہی

علّامہ حموی رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

... لان من اقطعه الولاة المهدیون فلیس لاحد ان یرد ذلك الخ

"کیونکہ جو جاگیریں ہدایت یافتہ حاکموں نے عطا کی ہوں تو کسی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ان سے واپس لے سکے الخ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ غیر ہدایت یافتہ حکمرانوں کے تصرفات کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے" لیکن غیر مقامی باشندوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنا اور ان کے جان و مال کا احترام نہ کرنا اس

(بقیہ بر صـ ۶۴)